قیامِ امن کی ضرورت و اہمیت سیرتِ طیبہ کی روشنی میں

جناب ڈاکٹر حافظ محمد سلیم صاحب
اسسٹنٹ پروفیسر، گورنمنٹ کالج بوسن روڈ، ملتان

امن و اخوت کا مفہوم امن کے معنی نفس کے مطمئن ہونے اور خوف کے ختم ہونے کے ہیں۔ امان کے معنی کبھی حالتِ امن کے آنے کے ہیں اور کبھی اس چیز کو کہا جاتا ہے جو کسی کے پاس رکھی جائے۔ قرآن مجید میں ہے: مَنْ دَخَلَهٗ كَانَ اٰمِنًا (سورۃ آل عمران: ۹۷) جو بھی اس میں داخل ہوا محفوظ ہو جاتا ہے (ہر خطرہ سے)

اَوَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا حَرَمًا اٰمِنًا (العنکبوت: ۶۷)

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے حرم کو امن والا بنا دیا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْٓا اَمٰنٰتِكُمْ

(الانفال: ۲۷)

اپنی امانتوں میں خیانت نہ کرو۔ ایمان کا لفظ بطور تعریف کے استعمال ہوتا ہے، جس کے معنی مان لینے اور تصدیق کرنے کے ہیں اور یہ ایسی تصدیق ہے جس سے اطمینان حاصل ہو جائے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ ۖ

(سورۃ الحدید: ۱۹)

جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے وہ اللہ کی جناب میں صدیق ہیں[1]

ابن منظور کے نزدیک امن کے معنی امان دینا ہیں اور یہ خوف کی ضد ہے اور اسی سے امانت ہے جو خیانت کی ضد ہے ایمان بھی اسی سے ماخوذ ہے جو کفر کی ضد ہے۔ ایمان کے معنی تصدیق کرنے کے ہیں اور تکذیب اس کی ضد ہے[2]

اخوۃ کا مادہ اَخ جو اصل اخوٌ ہے۔ ولادت یا رضاعت میں شریک کو اَخ کہتے ہیں۔ استعارۃً اس کا استعمال عام ہے اور ہر وہ شخص جو قبیلہ، خاندان مذہب یا عقیدہ میں شریک ہو اَخ کہلاتا ہے۔ قرآن فرماتا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ (الحجرات: ١٠)

اللہ اور اس کے رسول کی دل سے تصدیق کرنے والے سب بھائی ہیں[2]۔[1]

امن و اخوت کے اس لغوی مفہوم کے اعتبار سے اسلام اہلِ ایمان کو ایک وحدت میں منسلک کر کے انہیں دنیوی و اخروی خوف و غم سے مامون کرنے کا خواہاں ہے۔

اسلام امن و اخوت کا داعی اور فتنہ و فساد کو مٹانے اور ختم کر دینے کا حامی ہے۔ قرآنِ پاک کی متعدد آیاتِ کریمہ اس بات پر شاہد ہیں کہ رب العالمین فساد اور مفسد کو پسند نہیں فرماتا۔ چند نظائر۔ ملاحظہ ہوں:

واللہ لا یحب الفساد[3]

اِن اللہ لا یحب المفسدین[4]

واللہ لا یحب المفسدین[5]

حالتِ فتنہ و فساد اللہ کی نگاہ میں قتل سے بھی زیادہ ناپسندیدہ ہے ارشاد ہے:

الفتنۃ اشد من القتل[6]

والفتنۃ اکبر من القتل[7]

اسلام میں قتال و جہاد کی اجازت اور حرمت کا مقصد بھی فتنہ، کفر و شرک کو ختم کرنا اور اللہ کے دین کو غالب کرنا ہے۔ فرمایا:

وقاتلوھم حتّٰی لا تکون فتنۃ[8]

وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ[۹]

قرآن پاک نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت جس انداز میں بیان فرمائی اور دین کے مخالفوں اور جان کے دشمنوں کے لیے آپ کی ہمدردی اور خیر خواہی کا جس طور پر ذکر فرمایا اس سے آپ کے داعیٔ امن ہونے کی حیثیت پوری طرح متحقق ہو جاتی ہے۔ فرمایا:

لعلک باخع نفسک الا یکونوا مؤمنین[۱۰]

فلعلک باخع نفسک علیٰ آثارھم ان لم یومنوا بھٰذا الحدیث اسفًا[۱۱]

اس دلسوزی اور پشت توڑ دینے والی ہمدردی کو دیکھتے ہوئے قرآن نے فرمایا:

ما انزلنا علیک القرآن لتشقیٰ[۱۲]

فلا تذھب نفسک علیھم حسرات[۱۳]

آپ امت کے غم اور مخلوق کی ہدایت کی فکر میں جس قدر غمگین اور پریشان رہتے تھے۔ اللہ تعالےٰ اس کیفیت کا ذکر فرمانے کے بعد فرماتا ہے کہ کیا ہم نے آپ کا وہ غم ہلکا نہیں کر دیا جو آپ کی کمر کو بوجھل کیے جا رہا تھا اور آپ کے ذکر کو بلند نہیں فرما دیا؟

الم نشرح لک صدرک ووضعنا عنک وزرک الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک[۱۴]

غیروں کے واسطے غمگینی اور دلسوزی کا جب یہ درجہ ہے تو اپنوں کے لیے تو ظاہر ہے کہ ایسا ہی تعلق ظاہر ہوگا کہ جس کا ذکر اس آیہ کریمہ میں ہے:

النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم[۱۵]

یعنی میرا محبوب (اللہ فرماتا ہے) تمہاری خیر خواہی، اصلاحِ احوال اور فلاحِ دارین کے ضمن میں تمہاری جانوں سے بھی زیادہ تم پر مہربان ہے اور یہ حقیقت دوسری آیت میں یوں بھی بیان فرمائی:

عزیز علیہ ما عنتم حریص علیکم بالمؤمنین رؤف رحیم[۱۶]

یعنی جو چیز تمہارے لیے تکلیف دہ ہے وہ انہیں بھی گراں گزرتی ہے وہ تمہارے متعلق بہت حریص ہیں اور اہل ایمان کے لیے بڑے مہربان اور رحیم۔

اسی لیے تو رب کریم فرماتا ہے کہ جو ہادی اتنا شفیق اور مہربان ہو اور جو رہبر اس درجہ کا غمگسار اور غم خوار ہو وہ جب بھی بلائے بلا تامل اس کی آواز پر لبیک کہو کیونکہ اس کا پیغام ہی حقیقی و ابدی حیات کا پیغام ہے حکم ہے۔

یاایھا الذین امنوا استجیبوا للہ وللرسول اذا دعاکم لما یحییکم[۱۷]

اے ایمان والو اللہ اور رسول کی پکار پر لبیک کہو جب وہ تمہیں اس امر کی طرف بلائیں جو تمہیں زندہ کرتا ہے۔ یعنی اللہ کا رسول تمہیں جس چیز کی دعوت دے رہا ہے وہ تمہارے مردہ دلوں کو زندہ کرنے والی اور تمہاری جان بلب روحوں کو تازگی اور نشاط عطا فرمانے والی ہے۔ اذا دعاکم کا فاعل حضورؐ کی ذات اقدس ہے۔ لما میں لام معنی الی ہے۔

اذا دعاکم لما یحییکم سے مراد۔ قرآن۔ ایمان۔ جہاد، نیک اعمال، پاکیزہ زندگی اور دائمی حیات کی طرف بلانا ہے۔

علامہ ابن کثیر بروایت قتادہ بیان کرتے ہیں کہ لما یحییکم سے مراد قرآن اور حق ہے جس میں زندگی، حیات، بقا اور نجات ہے اور سدی کی رائے میں اسلام لانے میں زندگی اور کفر میں موت ہے[۱۸]

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کی رائے میں لما یحییکم سے مراد آپ کی سنت اور طرز حیات ہے جس کی طرف آپؐ بلاتے ہیں۔" فان طاعة الرسول فی کل امر یحی القلب وعصیانه یمیته "کہ ہر بات میں سنت نبوی کی اطاعت سے دل زندہ ہوتا ہے اور اس کی نافرمانی سے مردہ ہوتا ہے[۱۹] علامہ محمود آلوسی کے نزدیک لما یحییکم سے مراد وہ لازوال اور ابدی تعلیم ہے جو عقائد اعمال اور معاملات پر مبنی ہے[۲۰]

نتیجۃً حضورؐ کا پیغام، حیات و امن کا پیغام اور آپؐ کا درس اخوت و محبت کا درس

ہے جس کی طرف آپؐ انسانیت کو دعوت دیتے ہیں۔

امن و اخوت کے ضمن میں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کے مطالعہ کو تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ قبل از بعثت مکی زندگی۔

۲۔ بعد از بعثت مکی زندگی۔

۳۔ مدنی زمانۂ حیات۔

قبل از بعثت زندگی کے متعدد واقعات ایسے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے عربوں کو امن و محبت کا درس دیا اور ظلم و زیادتی سے باز رہنے کی تلقین فرمائی قیام امن کے معاہدے فرمائے یا ان کی تحریک فرمائی۔ آپؐ حرب فجار میں شریک تو ہوئے مگر آپؐ کو یہ شرکت ہرگز پسند نہ تھی۔ آپ کا ارشاد ہے:

"قد حضرته مع عمومتي ورميت فيه بأسهم وما احب أني لم اكن فعلت"[۲۱]

تاریخ یعقوبی کے مطابق ابوطالب جنگوں میں شریک ہوتے تو آپؐ کو بھی ساتھ لے جاتے ایک دفعہ آپؐ شریک ہوئے تو کنانہ نے قیس کو شکست دی۔ انہوں نے عرض کیا۔ اے حاجیوں کو پانی پلانے والے اور پرندوں کو خوراک دینے والے کے بیٹے ہم آپ کی موجودگی غلبہ سے تعبیر کرتے ہیں اس لیے ہم سے الگ نہ ہونا۔ آپؐ نے فرمایا:

"فاجتنبوا الظلم والعدوان والقطيعة والبهتان فاني لا اغيب عنكم"

ظلم، سرکشی، قطع رحمی اور بہتان تراشی سے باز آجاؤ تو میں الگ نہیں ہوں گا۔[۲۲]

حرب فجار میں ہونے والی خونریزی کے بعد آپؐ نے قریش کے سرکردہ لوگوں سے گفتگو فرمائی اور اس بے چینی کو دور کرنے کی طرف توجہ دلائی۔ ان کوششوں کے نتیجے میں حلف الفضول کا معاہدہ ہوا، شرکائے معاہدہ نے اللہ تعالی کو گواہ بناتے ہوئے عہد کیا "جب تک دریا میں صوف کے بھگونے کی شان باقی ہے۔ ہم مظلوم کا ساتھ دیں گے تا آنکہ اس کا

حق ادا کیا جائے۔[23] حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اس معاہدہ میں شرکت اس قدر عزیز تھی کہ دورِ نبوت میں فرمایا کرتے "ابنِ جدعان کے گھر جس معاہدے میں، میں شریک ہوا تھا۔ اگر اس کے مقابلے میں سُرخ اونٹ بھی پیش کیے جاتے میں نہ بدلتا۔"[24] ابن اثیر نے لکھا ہے کہ

حضور فرماتے: "لو دعیت به فی الاسلام لاجبت" اگر ظہورِ اسلام کے بعد بھی کوئی ایسے معاہدے کے لیے دعوت دے تو میں تیار ہوں۔"[25]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینتیس برس تھی کہ قریش نے کعبہ کی تعمیرِ نو کا فیصلہ کیا۔ تمام قبائل نے جوش وخروش سے حصّہ لیا۔ مگر جب حجرِ اسود کے نصب کرنے کا وقت آیا تو اس بات پر اختلاف پیدا ہوا کہ اسے کون نصب کرے؟ اختلاف اتنا بڑھا کہ قتل وقتال کی نوبت پیدا ہوگئی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حسنِ تدبیر سے یہ معاملہ بہت احسن طور پر طے پا گیا اور قبائل کو حجرِ اسود کی تنصیب کی سعادت بھی نصیب ہوگئی۔ ابن سعد لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرِ اسود کو اپنی چادر میں رکھا اور سردارانِ قریش سے فرمایا کہ ہر سردار چادر کا ایک گوشہ پکڑ کر اسے اٹھائے۔ جب حجرِ اسود اپنی جگہ کے برابر پہنچا تو حضورؐ نے اسے اٹھا کر نصب فرما دیا۔"[26]

ہم دیکھتے ہیں کہ بعد از نبوت مکی زندگی میں آپؐ نے اپنی ذات پر اور اپنے اصحاب پر ہونے والے تمام ظلم وستم برداشت کیے مگر کسی ظلم کا جواب دینا مناسب نہ سمجھا۔ حضرت بلالؓ، حضرت یاسرؓ، عمارؓ، سمیہؓ، خبابؓ، زنیرہؓ، ابوبکرؓ، عثمانؓ اور خود آنحضورؐ پر کیے جانے والے مظالم پر حضرات صحابہ کا اور آپؐ کا صبر، ہجرتِ حبشہ، شعب ابی طالب میں محصوری، اور سفرِ طائف میں آپؐ کا اسوۂ حسنہ امن پسندی اور قیامِ امن کی کوششوں کی زندہ مثالیں ہیں[27] اور اس پر مستزاد یہ کہ آپؐ نے ان کے لیے کبھی زبانِ اقدس سے بد دعا تک بھی نہ کی بلکہ فرمایا:

اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون[28]

ان حوصلہ شکن اور نامساعد حالات میں آپؐ امن کی نوید بھی سنایا کرتے اور فرماتے "ایک وقت آنے والا ہے جب ایک آدمی صنعا یمن سے حضرموت تک تنہا سفر کرے گا اور اسے خدا کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا"[29] اور یہ کہ "ایک عورت اکیلی حیرہ سے چلے گی اور بیت اللہ کا طواف کرے گی اور کوئی نہ ہوگا جو اسے تنگ کرے۔"[30]

مدنی زندگی اور قیام امن کی کوششیں

ہجرتِ مدینہ کے بعد آپؐ نے فوری طور پر جن امور کی طرف توجہ فرمائی ان میں "مواخاتِ مدینہ" اور "میثاقِ مدینہ" خصوصی اہمیت کے حامل ہیں۔ ان اقدامات سے آپ کا مقصود مہاجرین و انصار کو رشتہ اخوت میں منسلک کرنا اور یہود اور مسلمانوں کو مدینہ کی شہریت میں امن دامان قائم رکھنے کے لیے تیار کرنا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ کے الفاظ میں "مدینے میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مہاجرین کے معاشی مسائل حل کرنے کے لیے مواخات کا انتظام کیا اور اس کے بعد مملکت کے قیام کی طرف توجہ فرمائی، اور وہ یوں، کہ ایک مملکت میں حکمران اور رعایا کے جو حقوق و فرائض ہوں گے انکو تحریری طور پر مرتب کیا گیا۔ اس تاریخی دستاویز کو جو قابلِ ذکر اہمیت حاصل ہے وہ یہ کہ "یہ دنیا کا سب سے پہلا تحریری دستور ہے" جو "نبی اُمّی" کے ہاتھوں وجود میں آتا ہے[۱۲]

ابن ہشام نے اس دستور کی ۵۲ دفعات کا پورا متن "السیرۃ النبویہ" میں درج کر دیا ہے۔ جن میں سے چند ایک اس طرح ہیں کہ:

۱۔ یثرب کا شہر فریقین کے لیے مقدس و محترم ہوگا

۲۔ اگر کوئی یثرب پر حملہ آور ہوگا تو یہودی اور مسلمان مشترکہ طور پر اس کا دفاع کریں گے۔

۳۔ فریقین کے مابین پیدا ہونے والا ہر نزاع اور جھگڑا اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹایا جائے گا۔

۴۔ "وانہ لا یحول ھذا الکتاب دون ظالم او اٰثم وانہ من خرج اٰمنَ ومن قعد اٰمن بالمدینۃ الّا مَن ظلم واثم" یہ دستور کسی ظالم یا مجرم کے آڑے نہ آئے گا۔ جو شخص جنگ کے لیے نکلے وہ بھی اور جو شخص گھر میں بیٹھا رہے وہ بھی امن کا مستحق ہوگا۔ صرف ظالم اور مجرم مستثنیٰ ہوں گے[۱۳]

میثاقِ مدینہ کی شرائط سے یہ نقطہ عیاں ہے کہ حضورؐ نے مدینہ کی شہریت کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے محفوظ رکھنے اور گہوارۂ امن بنانے کی ہر ممکن کوشش فرمائی۔

اگرچہ ہجرت کے دوسرے ہی برس کفارِ مکّہ اور مسلمانوں کے درمیان ایک خونیں معرکہ "بدر"

کے مقام پر رونما ہوا۔ مگر حضورؐ کا یہ اقدام حکمِ ربانی کے تحت تھا اور پندرہ برس کے ظلم و ستم کے بعد جب اللہ کی طرف سے قتال کی اجازت دی گئی تو اس کا سبب یہ بیان فرمایا کہ: اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا الخ" انہیں لڑنے کی اجازت دی جاتی ہے جن پر ظلم کیا گیا اور بے شک اللہ تعالیٰ ان کی نصرت پر پوری طرح قادر ہے وہ (مظلوم) جن کو ان کے گھروں سے ناحق صرف اتنی بات پر نکال دیا گیا کہ انہوں نے کہا کہ ہمارا پروردگار تو اللہ ہے۔[۳۳]

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ رحمت کو دیکھئے کہ عین میدانِ جنگ میں جب مسلمانوں کے حوض پر قریش کے چند لوگ پانی لینے کے لیے آئے تو آپؐ نے فرمایا کہ انھیں پانی پینے دو۔[۳۴]

جنگ کے نتیجہ میں جو لوگ قیدی بنائے گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ساتھ حسنِ سلوک کی تاکید فرمائی اور حکم فرمایا:

"استوصوا بالاساری خیرًا"۔ قیدیوں سے نیک سلوک کرنے کی وصیت یاد رکھو۔ قیدیوں میں سے ابوعزیز بن عمیر کہتا ہے کہ "میں انصار کے پاس قیدی تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نصیحت کی وجہ سے وہ مجھے روٹی کھلاتے اور خود کھجور پر اکتفا کرتے۔ ان میں سے کسی کے ہاتھ میں روٹی کا کوئی ٹکڑا ایسا نہیں تھا جو مجھے نہ دیا گیا ہو۔ مجھے شرم آتی تو میں وہ روٹی واپس کر دیتا مگر انصار وہ ٹکڑا مجھے پھر واپس کر دیتے اور اسے حضورؐ کے حکم کی وجہ سے چھوتے تک نہ تھے"۔[۳۵]

میثاقِ مدینہ کی صورت میں یہود کے ساتھ معاہدۂ امن طے پا چکا تھا مگر در پردہ یہود مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف رہتے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس معاہدے کی پاسداری فرماتے مگر بنو قینقاع نے اس معاہدہ کو توڑ ڈالا اور ایک انصاری کی بیوی کی بے حرمتی کی مسلمان بے تاب ہوئے، ایک یہودی کو قتل کر دیا، انہوں نے جواباً مسلمان کو شہید کر دیا حضورؐ ان کے ہاں تشریف لے گئے اور فرمایا کہ "اللہ سے ڈرو کہیں بدر والوں کی طرح تم پر بھی عذاب نہ آئے انہوں نے جواب دیا کہ "ہم قریش نہیں ہم سے مقابلہ ہوا تو بتا دیں گے کہ لڑائی کس کا نام ہے؟ چونکہ انہوں نے خود دعوتِ جنگ دی تھی لہٰذا حضورؐ نے ان کا محاصرہ فرمایا اور پھر عبداللہ بن ابی کی سفارش اور تجویز پر حضورؐ نے بغیر مواخذہ کے انہیں جلا وطن ہونے کی اجازت فرما دی۔[۳۶]

اس طرح آپؐ نے بنو نضیر کی بھی جان بخشی فرمائی اور انہیں مدینہ چھوڑنے اور اونٹوں پر مال اسباب لے جانے کی اجازت عطا فرما دی۔[۳۴]

ذیعقدہ ۶ ھجری میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم ۱۴۰۰ صحابہ کرامؓ کے ساتھ عمرہ کی نیت سے عازم مکہ ہوئے قربانی کے جانور ساتھ لیے اور ان کی گردنوں میں لوہے کے نعل قربانی کی علامت کے طور پر لگا دیے گئے۔ قریش کو اطلاع ہوئی تو تمام قبائل نے متفقہ فیصلہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے اور لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بدیل بن ورقا کے ذریعہ قریش کو پیغام بھجوایا کہ ہمارا مقصد جنگ نہیں بلکہ حرم کعبہ کی زیارت ہے اس لیے بہتر ہے کہ ہم لڑائی کی بجائے معاہدۂ صلح کر لیں۔ سفارت کے بعد ایک صلح نامہ پر دستخط ہوئے جس کی شرائط میں یہ تھا کہ :

۱۔ مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

۲۔ اگلے سال آئیں اور تین دن قیام کریں۔

۳۔ مکہ میں جو مسلمان موجود ہیں ان میں سے کسی کو نہ لے جائیں اور اگر کوئی مکہ میں رہنا چاہے تو اسے نہ روکیں۔

۴۔ کافروں یا مسلمانوں میں سے اگر کوئی مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ جائے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک طویل مسافت کے بعد مکہ میں داخل ہوئے بغیر واپس تشریف لے آئے اور اور بہ ظاہر اپنے خلاف جانے والی شرائط پر صلح فرمائی، مگر لڑنا پسند نہ فرمایا۔ اور صلح کی شرائط کی پاسداری کرتے ہوئے اپنے ایک مظلوم جاں نثار حضرت ابو جندلؓ کو پابہ زنجیر دوبارہ دشمنوں کے حوالے کر دیا۔[۳۵]

مکہ کی فتح تاریخ انسانی کا ایسا واقعہ ہے جس کی نظیر پیش کرنا ممکن نہیں۔ ۲۱ سال کے ظلم و جبر کے بعد آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنے جاں نثاروں کے ساتھ مکہ میں اس فاتحانہ شان سے داخل ہو رہے ہیں کہ شکر کے جذبات سے سر اقدس جھکا جا رہا ہے۔ یہاں پروفیسر حمید احمد خاں کے مضمون "اسوۂ حسنہ" سے ایک اقتباس پیش کرنا زیادہ مناسب ہے کہ اس تحریر میں

محبت وعقیدت کا ایک سمندر موجزن ہے لکھتے ہیں" فتح مکہ کا دن عجیب دن تھا آج خدا نے اپنے ہاتھ سے پیغمبر کے سر پر سطوت کبریٰ کا تاج رکھ کر اسے دینی و دنیاوی کامرانی کی اعلیٰ ترین معراج پر فائز کر دیا۔ اسی شہر نے جہاں اسے گالیاں دی جاتی تھیں، جہاں سر پر نجاستیں ڈالی جاتی تھیں جہاں اس کے راستے میں کانٹے بچھائے جاتے تھے، آج اپنے دروازے کھول دیے تھے۔ دنیا کہے گی کہ آج ناز وغرور کے اظہار کا دن تھا۔ آج اسی کا سر جوشِ تفاخر میں ہفت افلاک سے بلند ہو جاتا تو بجا تھا اس کی پُر جلال آنکھوں کو قدم قدم پر اپنے دشمنوں کی رُسوائی ونگوں ساری کا منظر دیکھنا چاہیے تھا . . . . ہزارہا غلام، جن کے قدموں کی دھمک سے زمین لرز رہی تھی۔ اس وقت پیغمبرؐ کے گرد حلقہ زن تھے مگر وہ جو عجز و فروتنی کی زندہ تصویر بنا اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا تھا۔ اور جذبات تشکر سے سر اتنا جھکا ہوا تھا کہ اونٹ کے کجاوے کے سامنے کے حصّے سے جا لگا تھا۔ کعبے کے اندر پہنچ کر بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی شانِ نیاز پیش کی کہ اپنی عقل و تدبیر پر ناز کرنے کی بجائے خدائے قادر و توانا کے سامنے نہایت عجز و انکسار سے اپنی پیشانی کو خاک میں رکھ دیا۔ رحمت عالمؐ نے سرکشوں کو بھی اپنے دامن رحمت میں چھپا لیا اور شارع اسلام نے" الیوم یوم البر والوفا" کا اعلان عام فرما دیا۔ قریش سے جن کے تشدد و تعذیب کے باعث امتِ مسلمہ کو جلا وطن ہونا پڑا تھا۔ جب حضورؐ نے پوچھا کہ تم لوگ مجھ سے کس سلوک کی توقع رکھتے ہو تو انہوں نے عرض کیا کہ نیک سلوک کی کیونکہ آپ مہربان بھائی اور مہربان بھائی کے بیٹے ہیں۔ طبری کے بقول قریش کے اس طرزِ کلام پر رسول اطہرؐ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے آپؐ نے فرمایا آج میں تم سے وہی کہوں گا جو میرے بھائی یوسفؑ نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔

لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لکم وھو ارحم الراحمین ۳۹

خود ہی فیصلہ فرمائیے کہ کائنات میں" داعئ امن واخوت" ہونے میں آپ سے بڑھ کر کوئی اور ہو سکتا ہے ؟

داعئ امن واخوت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیمات کی روشنی میں

حالتِ امن ہو یا جنگ، انفرادی زندگی کے معاملات ہوں یا اجتماعی زندگی کے مسائل،

قومی اور ملّی مفادات کا مسئلہ ہو یا بین الاقوامی یا عالمی معاہدات کا ذکر، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بہر صورت امن وامان کے قیام اور اتحاد و اخوّت کے فروغ کو اوّلین حیثیت دی ہے جنگ اور متعلقاتِ جنگ سے متعلق آپؐ کی تعلیمات ملاحظہ ہوں:

عن عبد اللہ بن عمر قال نهى رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن قتل النساء والصبیان۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاد میں عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا[1]

عن نافع ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رأى فی بعض مغازیه امرأةً مقتولةً فانكر ذٰلكَ ونهى عن قتل النساء والصبیان۔

حضرت نافع سے روایت ہے کہ حضورؐ نے بعض لڑائیوں میں ایک عورت کو حالتِ قتل میں دیکھ کر اظہار ناپسندیدگی فرمایا اور عورتوں اور بچوں کے قتل سے منع کیا[2]

حضرت ابوبکرؓ نے ایک لشکر بھیجتے وقت دس باتوں کی وصیت فرمائی کہ:

عورت، بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا، پھلدار درخت کو نہ کاٹنا، کسی بستی کو تباہ نہ کرنا، بکری کی کونچیں نہ کاٹنا اور نہ اونٹ کی، مگر کھانے کے واسطے اور کھجور کے درخت کو نہ جلانا اور نہ ڈبانا، غنیمت کے مال میں چوری نہ کرنا اور نامردی نہ دکھانا[3] حضرت ابوبکرؓ کے یہ اصول اس تربیت کی عکاسی کرتے ہیں جو انہوں نے آنحضورؐ سے حاصل کی۔

فتح مکہ کے روز حضرت ام ہانیؓ حضور کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا کہ میں نے ایک شخص کو پناہ دی ہے اور حضرت علیؓ اسے قتل کرنا چاہتے ہیں آپؐ نے فرمایا قد اجرنا من اجرتِ یا امّ هانی۔ اے ام ہانی جسے تو نے پناہ دی ہے اسے ہم بھی پناہ دیتے ہیں[4] ایک دوسری روایت میں ہے کہ:

ان المرأة لتاخذ للقوم یعنی تجیر علی المسلمین۔

یعنی عورت اگر کسی کو امان دے دے تو پوری قوم اس امان کی پابند ہے[۴۴] اندازہ فرمائیے کہ حضورؐ کو کس قدر پاس ہے عہد و پیمان اور عورت کی امان کا۔ اسی طرح حضورؐ نے صلح حدیبیہ کے موقع پر ابو جندلؓ کو ایفائے عہد میں واپس مکہ بھیج دیا اور ابو بصیرؓ کو بھی مدینہ میں ٹھہرنے کی اجازت نہ دی[۴۵]

باهمی تعلقات

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے باہمدگر محبت و اخوت اور امن و امان کے قیام کے ایسے اصول وضع فرمائے کہ ان پر عمل پیرا ہو کر دنیا کا ہر انسان فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ مگر آپؐ نے مومنین پر ان کی پابندی اتنی لازم ٹھہرائی کہ انھیں ایمان کی شرائط میں داخل فرما دیا۔ ایمان والوں کے باہمی تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

المسلم اخو المسلم لا یظلمه ولا یسلمه ومن کان فی حاجة اخیه کان الله فی حاجته ومن فرّج عن مسلم کربة فرج الله عنه کربةً مّن کربات یوم القیامة ومن ستر مسلما ستره الله یوم القیامة[۴۶]

ظلم سے باز رکھنے کے بارے میں فرمایا کہ مظلوم کی مدد کرنا تو ہر مسلمان پر لازم ہی ہے مگر ظالم کو ظلم سے روکنا بھی اس کی مدد کرنے کے مترادف ہے، فرمایا:

انصر اخاك ظالمًا او مظلومًا قالوا یا رسول الله هذا ننصره مظلومًا فکیف ننصره ظالمًا قال تأخذ فوق یدیه[۴۷]

مومنین کی باہمی کیفیت کے بارے میں فرمایا: تری المومنین فی تراحمهم وتوادهم وتعاطفهم کمثل جسد اذا اشتکی عضوا تداعیٰ له سائر جسده بالسهر والحمّٰی[۴۸]

رحم کی تلقین کرتے ہوئے فرمایا:

من لا یرحم لا یرحم[۴۹]

جو شخص ہمسائیوں کا احساس نہیں کرتا اس کے لیے تنبیہاً فرمایا:

واللہ لا یومن واللہ لا یومن واللہ لا یومن قیل ومن یا رسول قال الذی لا یامن جارہ بوائقہ[50]

یعنی جس سے اس کے ہمسائے مامون نہیں وہ مومن ہی نہیں۔ مومن پر لعنت بھیجنے کے متعلق فرمایا:

من لعن مومنًا فھو کقتلہ ومن قذف مومنًا بکفر فھو کقتلہ[51] "یعنی مومن پر لعنت بھیجنا اور تہمت لگانا کفر ہے"۔ مومن کے کردار کی عظمت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا:

المسلم من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ[52]

آپؐ سے پوچھا گیا کہ کون سا اسلام بہتر ہے فرمایا:

من سلم المسلمون من لسانہ ویدہ۔

ایک دوسرے شخص سے فرمایا۔ کہ اسلام کی بہترین تعلیم یہ ہے کہ:

تطعم الطعام وتقرء السلام علی من عرفت ومن لم تعرف[53]

ایک دوسرے کے مفادات اور پسند کا لحاظ رکھنے کو ایمان کی شرط قرار دیا اور فرمایا:

لا یومن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ[54]

ایک دوسرے کو سلام کہنے کو جنت میں داخلے کی شرط قرار دیا اور فرمایا:

والذی نفسی بیدہ لا تدخلوا الجنۃ حتی تومنوا ولا تومنوا حتی تحابوا افلا ادلکم علی امر اذا فعلتموہ تحاببتم افشوا السلام بینکم[55]

اور فرمایا:

ان اولی الناس باللہ تعالیٰ من بدأھم بالسلام[56]

باہم حسد اور بغض رکھنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا۔

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ

اخواناً ولا یحل لمسلم ان یھجر اخاہ فوق ثلث لیال[۵۷]
یعنی تین دن سے زیادہ ناراض رہنے کو ناپسند فرمایا ۔
باہم محبت بڑھانے کے لیے فرمایا کہ مصافحہ کرو اور تحائف کا تبادلہ کیا کرو۔
تصافحوا یذھب الغل وتھادوا وتحابوا وتذھب الشحناء[۵۸]
رشتہ داروں کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا۔
من سرّہ ان یبسط رزقہ او ینسأ لہ فی اثرہ فلیصل رحمہ[۵۹] اور یہ بھی فرمایا۔
الرّحم معلّقۃ بالعرش تقول من وصلنی وصلہ اللہ ومن قطعنی قطعہ اللہ ۔ تعلقات منقطع کرنے کے بارے میں فرمایا۔
لا یدخل الجنۃ قاطع[۶۰]
مودت، محبت اور شفقت کے بارے میں فرمایا:
انّ اللہ رفیق یحب الرفق ویعطی علیہ ما لا یعطی علی العنف[۶۱]
جو شخص رحمت و شفقت کی صفت سے خالی ہے اس کے بارے میں فرمایا:
من یحرم الرّفق یحرم الخیر کلہ[۶۲]

عفو و درگزر اور رحمت و شفقت سے متعلق آپؐ کا طرزِ عمل

عن انس قال خدمت النبی عشر سنین فما قال لی اُف ولا لِمَ صنعت ولا الا صنعت[۶۳]
عن عائشہ قالت ما ضرب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خادماً ولا امراۃ قط[۶۴]
یعنی آپؐ نہ مواخذہ فرماتے اور نہ مارتے تھے ۔ آپ ہمیشہ آسان راستہ اختیار فرماتے اور دوسروں کے لیے بھی آسانی چاہتے ۔
عن عائشۃ انّھا قالت ما خیّر رسول اللہ فی امرین

الا اختار ایسرھما مالم یکن اثما فان کان اثما کان ابعد الناس منہ[65]

آپؐ نے کبھی اپنی ذات کی خاطر کسی سے بدلہ نہیں لیا۔

عن عائشہ۔ ما انتقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لنفسہ الا ان ینتھک حرمۃ اللہ فینتقم للہ بہا[66]

حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نہ کبھی برا کہتے۔ نہ فحش بات کرتے اور نہ ہی لعنت فرماتے۔ غصّے کے وقت صرف اتنا فرماتے "مالہٗ ترب جبینہٗ" اسے کیا ہے اس کی پیشانی خاک آلود ہو[67]

دوسروں کے وقار اور عزت کا اسی درجہ احترام فرماتے کہ اگر کوئی سوال کرتا تو کبھی انکار نہ فرماتے۔ "عن جابر ما سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم من شی قط فقال لا[68]

ہر مسلمان کی جان، مال اور عزت و آبرو کو اتنا عزیز رکھتے کہ اسے ایک دوسرے پر حرام قرار دیا اور فرمایا۔ کل مسلم علی المسلم حرامٌ دمہٗ ومالہ وعرضہٗ[69]

حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ جس طرح آج کے دن، اس شہر میں تمہارے لیے ایک دوسرے کو قتل کرنا اور عزّت و آبرو کو پامال کرنا حرام ہے۔ اسی طرح دوسری جگہوں اور عام حالات میں بھی ہے۔ فرمایا فان دماءکم واموالکم واعراضکم علیکم حرام لحرمۃ یومکم ھذا فی شھرکم ھنا فی بلدکم ھذا[70]

انسانیت کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی وہ بے پایاں رحمت وشفقت اور رافت ومحبّت ہے کہ آپؐ کو وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعلمین[71] اور حریصٌ علیکم بالمؤمنین رءوف رحیم[72] کے اعزازات سے نوازا گیا۔

پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کے وہ پہلو جن کا تعلق آپؐ کے پیغام امن واخوت سے ہے ان کی حیثیت محض اخلاقی تعلیمات اور مواعظ کی نہیں کہ کوئی چاہے انہیں اپنائے اور چاہے تو چھوڑ دے، اطاعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بنیادی اصول یہ ہے کہ آپؐ کا پیغام تعلیمات اور فرمودات قانون کا درجہ رکھتے ہیں۔

ما اتاکم الرسول فخذوه وما نھاکم عنہ فانتھوا[۴۲]

دوسرا اصول یہ ہے کہ مسلمانوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کے بارے میں ماننے اور نہ ماننے میں کوئی اختیار نہیں۔

ماکان لمومن ولا مؤمنۃ اذا قضی اللہ ورسولہ امرًا ان یکون لھم الخیرۃ[۴۳]

مذکورۃ الصدر اصول کے حوالے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی مخالفت معصیت بھی ہے اور قانون شکنی بھی، "قانون یا حکم کی بنیادی صفت یہ ہے کہ اس کی خلاف ورزی موجب سزا ہوتی ہے۔ یہ سزا شرعی اصطلاح میں "حد" اور "تعزیر" کہلاتی ہے۔

اس مقالہ میں سیرت رسول ص سے جن واقعات و روایات کا تذکرہ کیا ہے گو بظاہر بعض اخلاقی ضابطے اور ترغیبات دکھائی دیتی ہیں لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ " امن و اخوت" کا مربوط نظام وضع کیا جائے داخلی امن، یعنی اسلامی ریاست کے شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کی ضمانت دی جائے اور ان اخلاقی تعلیمات کو "قانون کی حیثیت،، سے نافذ کیا جائے، اس کی خلاف ورزی پر تعزیر دیجائے اسی طرح عالمی سطح پر اسلام کے قوانین "امن" کا اطلاق ہو زمانہ امن میں بھی اور حالت جنگ میں بھی۔

یوں حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحمتِ عامہ کا شاندار نمونہ آپ کا پیغام امن و اخوت اجڑے ہوئے گلشنِ انسانیت کے لیے نوید بہار ہے۔

مراجع ومصادر

۱ ۔ راغب اصفہانی، المفردات القرآن ۔ مادہ ۔ "امن"

۲ ۔ ابن منظور، لسان العرب، ادب الحوزہ، ایران، ۱۴۰۵ھ، ۱۳/۱۱

۲ و ۔ راغب اصفہانی المفردات القرآن ۔ مادہ ۔ "اخ"

۳ ۔ سورۃ البقرہ ۔ ۲۰۵

۴ ۔ سورۃ القصص ۔ ۷۷

۵ ۔ سورۃ المائدہ ۔ ۶۴

۶ ۔ سورۃ البقرہ ۔ ۱۹۱

۷ ۔ سورۃ البقرہ ۔ ۱۱۷

۸ ۔ سورۃ البقرہ ۔ ۱۹۳

۹ ۔ سورۃ الانفال ۔ ۳۹

۱۰ ۔ سورۃ الشعراء ۔ ۳

۱۱ ۔ سورۃ الکہف ۔ ۶

۱۲ ۔ سورۃ طٰہٰ ۔ ۲

۱۳ ۔ سورۃ فاطر ۔ ۸

۱۴ ۔ سورۃ الانشراح ۔ ۱ ۔ ۴

۱۵ ۔ سورۃ الاحزاب ۔ ۶

۱۶۔ سورۃ التوبہ۔ ۱۲۸
۱۷۔ سورۃ الانفال۔ ۲۴
۱۸۔ ابن کثیر علامہ، ۲۔ ۸۹ نور محمد کتب خانہ کراچی،
۱۹۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، تفسیر مظہری، سعید اینڈ کمپنی کراچی، ۵۔ ۷۱
۲۰۔ محمود آلوسی، علامہ، روح المعانی، مکتبہ امدادیہ ملتان (بحوالہ، الانفال۔۲۴)
۲۱۔ ابن سید الناس، عیون الاثر، ۱۔ ۶۴
۲۲۔ احمد بن ابی یعقوب، تاریخ الیعقوبی، ۲۔ ۱۲
۲۳۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، نفیس اکیڈمی، کراچی ۱۹۸۲ء، ۱۔ ۱۸۳
۲۴۔ ایضاً
۲۵۔ ابن الاثیر، تاریخ الکامل، ۱۔ ۱۶
۲۶۔ ابن سعد، طبقات، ۱۔ ۲۰۶
۲۷۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۔ ۲۸۴۔ ۸۷۔
۲۸۔ قاضی عیاض۔ الشفاء تعریف حقوق المصطفیٰ، ۔ ۷۴
۲۹۔ ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، ۵۔ ۶۶
۳۰۔ ایضاً
۳۱۔ ڈاکٹر حمید اللہ، خطبات بہاولپور، ادارہ تحقیقات اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۸۵، ص/۲۳۳
۳۲۔ ابن ہشام۔ السیرۃ النبویہ، ۱/ ۵۵۴۔ ۵۶۱۔
۳۳۔ سورۃ الحج / ۳۹۔ ۴۰
۳۴۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۱/۱۶۷
۳۵۔ ایضاً، ۱/ ۳۴۷
۳۶۔ ابن سعد، طبقات، ۱/ ۳۲۹
۳۷۔ ایضاً، ۱/ ۳۵۸
۳۸۔ ایضاً، ۱/ ۳۹۹

۳۹ ۔ حمید احمد پروفیسر، اسوۂ حسنہ، کتابیات لاہور، ۱۹۶۶ء، ص / ۸۴
۴۰ ۔ خطیب تبریزی، ولی الدین، مشکوٰۃ المصابیح، سعید سنز لاہور، ۲ / ۲۸۴
۴۱ ۔ امام مالک ۔ مؤطا اسلامی اکادمی ۔ لاہور، ص / ۳۳۷
۴۲ ۔ ایضاً
۴۳ ۔ مشکوٰۃ، ۲ / ۱۹۶
۴۴ ۔ ایضاً
۴۵ ۔ مشکوٰۃ، ۲ / ۳۱۵ - ۱۶
۴۶ ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، الجامع الصحیح، مکتبہ رحمانیہ لاہور، ۱۹۸۵ء ۱ / ۹۶۶
۴۷ ۔ ایضاً
۴۸ ۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، تجرید البخاری ۔ ملک دین محمد اینڈ سنز لاہور ۔ ص / ۹۴۰
۴۹ ۔ ایضاً
۵۰ ۔ ایضاً ص / ۹۴۱ ۔
۵۱ ۔ ایضاً ص ۹۴۳ ۔
۵۲ ۔ صحیح بخاری، ۱ / ۱۱۲
۵۳ ۔ ایضاً
۵۴ ۔ ایضاً ۔ ۱ / ۱۱۳
۵۵ ۔ ابو داؤد، سلیمان بن الاشعث السجستانی، سنن ابی داؤد، اسلامی اکادمی لاہور، ۱۹۸۳ء
۳ / ۶۵۷ ۔
۵۶ ۔ سنن ابی داؤد ۔ ۳ / ۱۹۵۸ ۔
۵۷ ۔ مؤطا امام مالک ۔ ص / ۶۲۳
۵۸ ۔ ایضاً
۵۹ ۔ امام مسلم بن حجاج بن مسلم ۔ نعمانی کتاب خانہ لاہور ۔ ۶ / ۲۰۷
۶۰ ۔ ایضاً

٦١ - سنن ابی داؤد ، ۳ / ۵۳۳

٦٢ - ایضاً -

٦٣ - تجرید البخاری - ص / ۹۴۲

٦۴ - سنن ابی داؤد ، ۳ / ۵۲٦

٦۵ - مؤطا امام مالک - ص / ٦۳۰

٦٦ - ایضاً

٦۷ - تجرید البخاری - ۹۴۲

٦۸ - ایضاً

٦۹ - صحیح مسلم - ٦ / ۲۱۰

۷۰ - تجرید البخاری - ص / ۷۸۴

۷۱ - سورة الانبیاء / ۱۰۷

۷۲ - سورة التوبه / ۱۲۸

۷۳ - سورة الحشر / ۷

۷۴ - سورة الاحزاب / ۳٦